



سوال

نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں

جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش یہ ہے کہ "حدیث اور اہل حدیث" نامی ایک رسالہ شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنا مسنون نہیں۔ اس لوٹا بت کرنے کے لیے انھوں نے چند احادیث کو دلیل بنا کر پیش کیا ہے۔ کیا وہ احادیث صحیح ہیں؟ وہ احادیث یہ ہیں:

(۱) عن طاؤس قال: سئل ابن عمر عن الرکعتین قبل المغرب فقال: مارایت احدا علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلیہا۔ (البداء ورجحان ص ۱۸۲)

(۲) وعن حماد قال: سالت ابراہیم عن الصلاة قبل المغرب؟ فنانی عنها وقال: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابا بکر و عمر لم یصلوا (کتاب الآثار للامام ابی حنیفہ بروایت الامام محمد ص ۳۲)

(۳) وعن عبد اللہ بن بريدة عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بین کل اذانین صلاة الا المغرب (کشف الاستار عن زوائد مسند البزار ج ۱ ص ۳۳۴)

اور اسی طرح دوسری احادیث ہیں کیا وہ احادیث صحیح ہیں؟

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد!

آپ کی مسنونہ روایات کی تحقیق حسب ذیل ہے

(1) عن طاؤس۔۔۔ الخ (البداء ورجحان ص 182 حدیث نمبر 1284)

اس کی سند حسن ہے اسے شعب یا ابو شعیب کی "جہالت" قرار دے کر ضعیف قرار دینا صحیح نہیں۔ اس روایت کے آخر میں لکھا ہوا ہے کہ "ورخصنی الرکعتین بعد العصر" اور آپ نے عصر کے بعد دو رکعتوں کی اجازت دی چونکہ روایت کا یہ حصہ دیوبندیوں اور بریلویوں کے مذہب کے خلاف ہے لہذا وہ یہودیوں کی تقلید کرتے ہوئے اسے جھپٹا لیتے ہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مغرب سے پہلے دو رکعتوں کو نہ دیکھنا، ان رکعتوں کے عدم وجود کی دلیل نہیں کیونکہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھی ہیں اور انھیں رسول اللہ ﷺ نے دیکھا اور منع نہیں فرمایا (دیکھئے صحیح البخاری: 503-635 و صحیح مسلم:

836837 وغیر ہما)



آپ ﷺ منع کیوں فرما سکتے تھے جبکہ آپ ﷺ نے خود فرمایا:

«صلوا قبل المغرب» مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو۔ (صحیح البخاری: 1183)

یاد رہے کہ اس حدیث کے آخری ٹکڑے "لمن شاء" کے مطابق یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے۔

عبداللہ المزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل المغرب رکعتیں "بے شک رسول اللہ ﷺ نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں۔ (صحیح ابن حبان، موارد الظمان: 617 و هذا اسناد صحیح علی شرط مسلم مختصر قیام اللیل للمروزی۔ اختصار المقریزی ص 64 وقال النبیوی: واسنادہ صحیح، آثار السنن حدیث: 694)

ظاہر ہے کہ دو گچے گواہوں میں سے جو گواہ کتا ہے کہ میں نے دیکھا ہے، اس کی بات اس گواہ کے مقابلے میں سچ اور حق تسلیم کی جائے گی جو کتا ہے کہ میں نے نہیں دیکھا۔ کیونکہ عدم روایت بعض، عدم وجود پر دلیل نہیں ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی عدم روایت بعض عدم وجود پر دلیل نہیں ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی عدم روایت سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ دو رکعتیں پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ دیوبندیوں اور بریلویوں کا عدم وجوب والی روایت کو عدم وجود والی دلیل بنالینا ہر لحاظ سے غلط اور باطل ہے۔

(1) عن حماد قال: سالت ابراہیم (النخعی) عن الصلاة قبل المغرب فبنانی عنہا۔۔۔ الخ (الآثار لمحمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی ص 192 ح 145)

یہ روایت کئی لحاظ سے مردود ہے۔ مثلاً (1) محمد الحسینی الشیبانی صاحب کتاب الآثار سخت مجروح راوی تھا۔ اسماء الرجال کے مستند عند الفریقین امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: محمد (بن الحسن) جہمی ہے جو کذاب ہے (الضعفاء للعقيلي ج 4 ص 52 وسندہ صحیح)

اور فرمایا: "لیس بشی" یعنی یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ (تاریخ ابن معین روایتہ الدوری: 177)

2: حاد بن سلمہ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، حافظ نور الدین الہیثمی (متوفی 807ء) نے یہ قاعدہ بتایا ہے کہ حماد سے صرف شعبہ سفیان الثوری اور ہشام الدستوائی کی روایت ہی مقبول ہے، (دیکھئے: مجمع الزوائد ج 1 ص 120119)

یعنی حماد سے امام ابو جیفہ کی روایت (حماد کے اختلاط کی وجہ سے) غیر مقبول ہے۔ یہ روایت اس مضموم کے ساتھ ایک دوسری ضعیف سند مروی ہے (مصنف عبدالرزاق 1/2 3985 ح 435)

جس کی تفصیل راقم الحروف نے انوار السنن تحقیق آثار السنن (ص 140) میں لکھ دی ہے۔

(3) اس روایت کے سلسلے میں عرض ہے کہ کشف الاستار کے حاشیہ میں لکھا ہوا ہے: اس کا راوی حیان بن عبد اللہ ہے جسے امام ابن عدی نے (ضعیف راویوں میں) ذکر کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گیا تھا۔ (بحوالہ مجمع الزوائد 2/231)

اس مخطوط کی روایت صحیح روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے منکر ہو کر مردود ہے یاد رہے کہ کسی مستند امام نے حیان بن عبد اللہ المخطوط کی روایت کو صحیح یا حسن نہیں کہا، حتیٰ کہ آثار السنن کے مصنف نیومی نے بھی اسے اپنے دلائل میں ذکر نہیں کیا۔

مختصر عرض ہے کہ آپ کی ذکر کردہ آخری دونوں روایتیں ضعیف و مردود ہیں۔

اول الذکر روایت کا تعلق عدم وجوب سے ہے۔ عدم وجوب یا عدم استحباب سے نہیں۔



والحق ان تیغ

آخر میں عرض ہے کہ "حدیث اور اہل حدیث" نامی کتاب کا مصنف انوار خورشید اپنے اسلاف حسن بن زیاد المولوی بشر بن غیاث المریسی اور محمد بن شجاع الثبجی وغیرہم کی طرح سخت کذاب اور ضاع ہے۔

انوار خورشید کے کذاب ہونے کی دلیل نمبر 1:

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں صغیر قائم کرتے وقت ایک دوسرے کے قدم سے قدم اور کندھے سے کندھا ملا تھے۔

(صحیح البخاری وغیرہم۔ حدیث اور اہل حدیث طبع مئی 1993ء، ص 509)

اور (روایت ہے کہ) جو شخص کندھے سے کندھا نہ ملاتا اسے "بدا کا بونا نچر" قرار دیتے تھے۔ (دیکھئے حدیث اور اہل حدیث ص 515، بحوالہ فتح الباری ج 2 ص 353)

ان صحیح ہمار صحابہ رضی اللہ عنہم کا مذاق اڑاتے ہوئے انوار خورشید نے لکھا ہے کہ "نیز غیر مقلدین کو چاہیے کہ گردن سے گردن بھی ملایا کریں کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کا بھی ذکر ہے" (حدیث اور اہل حدیث ص 519)

حالانکہ کسی حدیث میں بھی گردن سے گردن ملانے کا ذکر نہیں۔ ((وحاذا بالاعناق)) کا مطلب "اور گردنوں کو برابر رکھو" ہے گردنیں ملانا نہیں۔

انوار خورشید نے لکھا ہے کہ "پھر حضرت امام ابو حنیفہ اور امام بخاری رحمہما اللہ دونوں بزرگ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں" (حدیث اور اہل حدیث ص 23)

یاد رہے کہ بعد میں انوار خورشید نے اپنی کذب بیانی کو محسوس کرتے ہوئے "حدیث اور اہل حدیث" کے تازہ ایڈیشن یا ایڈیشنوں میں سے یہ عبارت نکال کر لکیریں ڈال دی ہیں مثلاً: دیکھئے حدیث اور اہل حدیث (طبع سادس، جولائی 1997ء)

اور اس بات کا اشارہ تک نہیں دیا کہ "حدیث اور اہل حدیث" نامی کتاب کی سابق عبارت غلط اور کذب بیانی تھی، واللہ من ورائہم محیط

حدا معذی واللہ اعلم بالصواب

فتاویٰ علمیہ (توضیح الاحکام)

ج 1 ص 420

محدث فتویٰ